حروف مقطعات (۲)
مختلف آراء کا تجزیاتی مطالعہ

ثاقب اکبر *
ukhuwat@gmail.com

کلیدی کلمات: حروف مقطعات، رمزوراز، اسمائے الٰہی، قرآن میں غور وفکر، دعوت فکر، کفار

خلاصہ

قرآن مجید میں حروف مقطعات غیر معمولی ہیں۔ ایسے حروف گذشتہ آسمانی کتب میں بھی نہیں تھے۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ کہ جو لوگ آپ کی ہر بات پر اعتراض کرتے تھے، انھوں نے بھی حروف مقطعات پر اعتراض نہیں کیا۔ البتہ کچھ یہودی علماء نے اس پر تعجب کا اظہار ضرور کیا ہے۔ حروف مقطعات کے بارے میں مقالے کی پہلی قسط میں علمائے متقدمین و متاخرین کی سات آراء پیش کی گئی ہیں۔ اب کچھ مزید مطالب پیش خدمت ہیں۔ ایک یہ کہ حروف مقطعہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے مابین رمز ہیں۔ دوم یہ کہ حروف مقطعہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ سوم یہ کہ حروف مقطعہ نے مسلسل انسانوں کو غور وفکر میں مشغول رکھا ہے۔ شاید ان حروف کو نازل کرنے میں ایک منشا یہی ہو کہ قاریان قرآن ان میں غور وفکر کرتے رہیں تاکہ ان میں فکری گہرائی پیدا ہوتی رہے۔ البتہ یہ حروف ہر دور میں ''دعوت فکر'' کے طور پر اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ چہارم یہ کہ حروف مقطعہ معانی اور اشیاء پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت مولانا حمید الدین فراہی کا نظریہ ہے جو انھوں نے اور پھر ان کے بعد ان کے دیگر ہونہار شاگردوں نے بطور ایک احتمال کے پیش کیا ہے۔ پنجم یہ کہ یہ حروف کفار کو خاموش کرنے کے لیے سورتوں کی ابتدا میں نازل ہوئے ہیں۔ کیونکہ مشرکین ایک دوسرے کو قرآن سننے سے روکتے تھے اور جب کوئی قرآن کی تلاوت کرتا وہ شور وغوغا بلند کرتے۔ للہذا اللہ تعالیٰ نے بعض حروف کے شروع میں ان حروف کو نازل کیا تاکہ وہ انھیں سن کر خاموش ہو جائیں جب وہ ان حروف کو سنتے تھے تو ان کو عجیب لگتا تھا اور پھر وہ سننے لگتے تھے اور غور کرنے لگتے تھے۔

---

*۔ صدر نشین البصیرہ، اسلام آباد

مقدمہ

حروف مقطعات کا قرآن مجید میں موجود ہونا غیر معمولی ہے۔ ایسے حروف گذشتہ آسمانی کتب میں بھی دکھائی نہیں دیتے۔ ان کے بارے میں زیادہ عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات پر اعتراض کے لیے تیار رہتے تھے، انھوں نے بھی حروف مقطعات کے بارے میں اعتراض نہیں کیا۔ البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے کچھ یہودی علماء نے اس پر تعجب کا اظہار ضرور کیا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ پر ان حروف کے نزول کے بارے میں شدید حیرت اور استعجاب میں مبتلا ہو گئے۔ حروف مقطعات کے بارے میں مقالے کی پہلی قسط میں ہم علمائے متقدمین و متاخرین کی سات آراء اور احتمالات پر گفتگو کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں حروف مقطعات کے بارے میں ضروری معلومات درج کرنے کے بعد ہم نے مندرجہ ذیل موضوعات کے بارے میں آراء پیش کی ہیں:

۱۔ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں۔
۲۔ حروف مقطعہ سورتوں کے نام ہیں۔
۳۔ یہ حروف پورے قرآن کے نام ہیں۔
۴۔ یہ حروف فکر و عقل کے اول مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہیں۔
۵۔ حروف مقطعہ پیغمبر اکرم ﷺ کو متوجہ کرنے کے لیے ہیں۔
۶۔ یہ حروف تحدی کی حیثیت رکھتے ہیں۔
۷۔ صحابہ کو ان حروف کا معنی معلوم تھا۔

اب کچھ مزید مطالب پیش خدمت ہیں:

۸۔ حروف مقطعہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین رمز ہیں

حروف مقطعہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین رموز ہیں اور ان کا معنی ہم سے پوشیدہ ہے۔ ہمارا معمول کا فہم اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس نقطۂ نظر کی تائید کے لیے ایسی آیات کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے جن میں ان حروف کے فوری بعد آنحضرت ﷺ سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ شوریٰ کی ان آیات کو ملاحظہ کیجیے:

"حٰمٓ○عٓسٓقٓ○ كَذٰلِكَ يُوحِيٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○"

اسی طرح سورہ یٰس کی آیات کو بھی دیکھا جاسکتا ہے:

"یٰسO وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِO اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَO"

اس نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے استاد مطہری لکھتے ہیں:

"بعضی راعقیدہ بر آن است کہ اینھا یك سلسلہ رموزی است میان گویندہ و شنوندہ... چنان کہ این مطلب در میان دو فرد انسان نیز رایج است۔" (1)

"بعض کا نظریہ ہے کہ یہ کہنے اور سننے والے کے مابین رموز کا ایک سلسلہ ہے یعنی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین بعض ایسے مطالب و معارف تھے کہ جو عام لوگوں کی سطح فکر سے بالاتر تھے اور لوگ چونکہ انھیں سننے کا ظرف نہ رکھتے تھے اس لیے انھیں صریح طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ راز کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں جیسے کہ رائج ہے کہ دو انسان بھی اس طرح سے کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص چاہتا ہے کہ سب لوگ بات نہ سمجھیں تو پھر وہ پیش نظر شخص سے رمزیہ صورت میں بات کرتا ہے۔"

کمال صحرائی اردکانی "تفسیر عرفانی امام خمینیؒ از حروف مقطعہ قرآن" کے زیر عنوان ایک مقالہ میں رقمطراز ہیں:

"امام خمینی (رہ) بر این عقیدہ است کہ حروف مقطعہ علیرغم تفاسیر مختلفی کہ از آن شدہ است، از قبیل رمز بین محب و محبوب است... بعید نیست کہ فھم آن از حوصلہ بشر خارج باشد و مخصوص بہ خواص از اولیای خداوند باشد ھمان ھا کہ بہ خطاب قرآن اختصاص یافتہ اند، ھمانطور کہ وجود متشابھات برای ھمہ نیست و تأویل آنھا را ھمان ھا در می یابند۔" (2)

یعنی: "اگرچہ حروف مقطعہ کی مختلف تفاسیر کی گئی ہیں لیکن یہ محب و محبوب کے مابین رمز ہیں اور کسی کو ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ بعض مفسرین نے اپنے حدس اور اندازے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے اور ہرگز بعید نہیں کہ ان کا سمجھنا اور فہم بشر کے ہمت سے باہر ہو اور یہ اولیاء الٰہی میں سے خواص کے لیے مخصوص ہو، وہی کہ خطاب قرآن جن سے مختص ہے، جیسے متشابہات کا وجود سب کے لیے نہیں ہے اور ان کی تاویل وہی جانتے ہیں۔"

ملا صدرا نے بھی حروف مقطعہ کے رمز اور اشارہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ البتہ وہ یہ قبول نہیں کرتے کہ یہ فقط آنحضرتﷺ کے لیے رمز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ رمز دیگر اہل اللہ کے لیے بھی ہے تاہم ہر ایک کے اپنے مرتبے کے لحاظ سے۔ وہ فرماتے ہیں:

"فان العناية الربانية لما تعلقك بتربية الاطفال والاولاد الملكوتية أفادلهم ورزقهم من تحف ذلك العالم و هدايا بالجنة فى كسوة الحروف المفردة والظروف المقطعة على طريقة الرمزوالاشارة لئلايطلع عليها الاغيار۔" (3)

"یہ عنایت ربانی ہے کہ اس نے تیرا تعلق ملکوتی اطفال واولاد کی تربیت سے قائم کر دیا ہے۔ اس نے انھیں اس عالم کے تحائف اور جنت کے ہدایا کے ذریعے فائدہ پہنچایا اور رزق عطا کیا، حروف مفردہ اور ظروف مقطعہ کے پیرائے میں رمز اور اشارے کے ذریعے تاکہ اغیار کو ان کا پتہ نہ چلے۔"

علامہ طباطبائی نے بھی ان حروف کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کے مابین رموز میں سے قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مقدمے کے بعد وہ اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ثم انك ان تدبرت بعض التدبرفى هذه السور التى تشترك فى الحروف المفتتح بهامثل الميمات والرا آت والطواسين والحواميم، وجدت فى السور المشتركة فى الحروف من تشابه المضامين و تناسب السياقات ما ليس بينها و بين غيرها من السور... ويستفاد من ذلك أن هذه الحروف رموز بين الله سبحانه و بين رسوله صلى الله عليه و آله وسلم خفيت عنا لا سبيل لأفهامنا العادية اليها الا بمقدار أن نستشعر أن بينها و بين المضامين المودعة فى السور ارتباطاً خاصاً..." (4)

یعنی: "پس اگر تم ان سورتوں پر غور و فکر کرو کہ جن میں الف لام میم را، طاسین اور حٰم افتتاحی حروف کے طور پر مشترک ہیں تو ان سورتوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مضامین پاؤ گے اور ان کے سیاق میں بھی ایک ایسا تناسب پاؤ گے جو دیگر سورتوں اور ان سورتوں کے مابین نہیں ہے۔ اس کی تاکید ان سورتوں کے آغاز میں آنے والے ایسے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو ایک دوسرے کے مشابہ اور نزدیک ہیں۔ مثلاً حٰم سے شروع ہونے والی سورتوں کے آغاز میں

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِیا اس کے ہم معنی آیات آئی ہیں۔ یا پھر ا ل ر سے شروع ہونے والی سورتوں کے آغاز میں تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ یا اس کے ہم معنی آیات آئی ہیں۔ یہی صورت حال طاسین سے شروع ہونے والی سورتوں کی ہے۔ جبکہ "ا ل مر" سے شروع ہونے والی سورتوں میں کتاب سے ریب اور شک کی نفی کی گئی ہے یا اس کے ہم معنی عبارتیں آئی نہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان حروف مقطعہ اور ان سورتوں کے مضامین کے مابین کوئی خاص ربط ہے جن کے آغاز میں یہ حروف آئے ہیں۔

اس کے تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ سورہ اعراف جو ال مص سے شروع ہوتی ہے اس کے مضامین ان سورتوں کے جامع ہیں جو ال م اور ص سے شروع ہوتی ہیں۔ یہی حال سورہ رعد کا ہے جو ال مر سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے مضامین ان سورتوں کے جامع ہیں جن کے شروع میں ا ل م اور ا ل ر آئے ہیں۔ اس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ یہ حروف اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین رموز ہیں جو ہم سے مخفی رکھے گئے ہیں اور ہمارے معمول کے فہم انھیں نہیں پا سکتے، سوائے اس کے کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ ان حروف اور ان سورتوں کے مضامین میں خصوصی ربط ہے جن کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں۔

ممکن ہے کوئی تدبر کرنے والا ان حروف کے مشترکات اور ان بعض سورتوں کے مضامین پر غور وفکر کرے جن کے ابتداء میں یہ آئے ہیں اور ان کا باہمی موازنہ کرے تو اس پر مزید کچھ رموز ظاہر ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے اہل سنت کے ہاں حضرت علی علیہ السلام سے جو روایت نقل ہوئی اور جس کا مجمع البیان میں بھی ذکر آیا ہے، اس معنی پر دلالت کرتی ہو۔ اس کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ہر کتاب کے کچھ اعلیٰ اور بلند مطالب ہوتے ہیں اور اس کتاب کے اعلیٰ مطالب حروف تہجی ہیں۔"

پیر محمد کرم شاہ الازہری کا بھی یہی نظریہ ہے کہ حروف مقطعہ اللہ اور رسول ﷺ کے مابین راز ہیں۔ اس سلسلے میں وہ صاحب روح المعانی کی رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الف۔ لام۔ میم مفسرین کرام نے ان حروف کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال تحریر فرمائے ہیں۔ "میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الم اور دیگر حروف مقطعات سر بین اللہ و رسولہ۔ یہ

وہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ہیں۔ صاحب روح المعانی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ فلا یعرفه بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الا الاولياء الورثة فهم يعرفونه من تلك الحضرة وقد تنطق لهم الحروف كما كانت تنطق لمن سبح في كفه الحصى: یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم ﷺ جانتے ہیں اور اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کردیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔" (5)

۹۔حروف مقطعہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں

یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسماء پر دلالت کرتے ہیں۔ البتہ علماء نے مختلف حروف کو مختلف اسماء پر دلالت قرار دیا ہے۔ یہی صورت حال اس سلسلے کی مرویات میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا اسماء پر دلالت کرنے کا نظریہ اختیار کرنے والوں کے ہاں دلالت پر اتفاق نہیں ہے۔ یہ قول قدماء کے ہاں بھی شد و مد سے نظر آتا ہے اور متاخرین کے ہاں بھی۔ حروف مقطعہ کے بارے میں مختلف اقوال درج کرتے ہوئے علامہ طبرسی دوسرا نظریہ ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

"أن المراد بها الدلالة على أسماء الله تعالى فقوله تعالى (الم) معناه أنا الله أعلم (والر) معناه أنا الله أعلم وأرى (والمص) معناه أنا الله أعلم وأفصل والكاف في كهيعص من كاف والهاء من هادٍ والياء من حكيم والعين من عليم والصاد ... ومعناه من الالفة فكما أن الله عزوجل سبب الفة الخلق فكذلك الألف عليه تألفت الحروف وهو سبب الفتها۔" (6)

یعنی: "ان سے مراد یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پر دلالت کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول (الم) کا معنی ہے أنا الله أعلم (میں اللہ بہتر جانتا ہوں) اور الر کا معنی ہے أنا الله أعلم وأرى یعنی میں اللہ بہتر جانتا اور بہتر دیکھتا ہوں اور والمص کا معنی ہے أنا الله أعلم و أفصل یعنی میں اللہ بہتر جانتا اور بہتر فیصلہ کرتا ہوں اور کھیعص میں کاف کافٍ سے اور ھا ھادٍ سے اور یا حکیم سے اور عین علیم سے اور صاد صادق سے ہے۔ یہ روایت ابن عباس سے ہے اور ابن عباس سے

یہ بھی روایت ہے کہ الم میں الف اسم اللہ پر دلالت کرتا ہے اور لام جبرائیل علیہ السلام پر اور میم اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔" نیز ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں علی ابن موسی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام سے الم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ الف میں اللہ تعالیٰ کی چھ صفات ہیں: "الابتدا" پس اللہ نے تمام خلق کی ابتدا کی اور الف سے حروف کی ابتدا ہوتی ہے، "الاستواء" پس اللہ عادل ہے، ظالم نہیں ہے اور الف بھی اپنی ذات میں مستقیم اور سیدھا ہے، "الانفراد" پس اللہ فرد اور اکیلا ہے اور الف بھی اپنی ذات میں تنہا ہے۔ "اتصال الخلق باللہ" پس اللہ اپنی مخلوق سے متصل نہیں ہے، سب اللہ کے محتاج ہیں اور اللہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے جب کہ الف بھی دیگر حروف سے ملا ہوا اور متصل نہیں ہے جب کہ دیگر حروف اس سے پیوستہ ہیں اور وہ اپنے غیر سے منقطع ہے اور اللہ بھی اپنی تمام صفات کے ساتھ اپنی مخلوق سے متباین ہے اور اس کا ایک معنی الفت سے مشتق ہے کیونکہ وہ دیگر حروف کی ترکیب و تالیف کا سبب بنتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ خلق اور عالم کی ترکیب و تالیف کا سبب ہے۔"

محمد علی محمدی نے ایک مقالہ "حروف مقطعہ در نگاہ عرفا" سپرد قلم کیا ہے۔ اس میں انھوں نے عین القضات کے افکار کو نسبتاً تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عین القضات نے حروف مقطعات کی تاویل بیان کرتے ہوئے ایک یہ نظریہ بھی پیش کیا ہے:

"خدا را صفاتی است۔ آن صفات گاهی با الفاظی نظیر قدرت و ارادت و علم وحیات و۔۔۔ بیان می شوند۔ و گاه الفاظ۔ کما هوحقه۔ مناسبت با آن صفات ندارند۔ بنا بر این بجای الفاظ و کلمه ها، حروف مقطعه می آیند۔" (7)

"خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہ صفات گاہے الفاظ کی صورت میں مثلاً قدرت، ارادہ، علم، حیات وغیرہ سے بیان کی جاتی ہیں اور گاہے الفاظ کے ذریعے کماحقہ، بیان نہیں کی جاسکتیں کیونکہ ان کے لیے مناسب الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے الفاظ اور کلمات کے بجائے حروف مقطعہ آتے ہیں۔"

غلام احمد پرویز نے بھی حروف مقطعہ کے بارے میں اسی نظریے کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”جہاں تک میری بصیرت، میری راہنمائی کرتی ہے، یہ (باستثنائے چند) خدا کے اسم ذات (اللہ) یا اس کی صفات (الاسماء الحسنیٰ) کے الفاظ سے تراشیدہ حروف ہیں۔ مثلاً الم میں الف، اللہ کے لیے ہے۔ لام، علیم کے لیے اور میم، حکیم کے لیے۔ ان میں یہ ضروری نہیں کہ یہ ان الفاظ کے پہلے حروف ہی ہوں۔

تعین مفہوم کے لیے ان الفاظ میں سے کوئی سا حرف بھی لیا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم نے صوتی اعتبار سے بھی انسان کے ذوق لطیف کی رعایت رکھی ہے، اور (میرے احساس لطیف کا اشارہ ہے کہ) ان حروف کے انتخاب میں یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ ہے وہ انداز، جس کی رو سے میں نے (مفہوم القرآن میں) حروف مقطعات کا مفہوم متعین کیا ہے۔ اس اعتبار سے الم کا مفہوم ہو گا: اللہ علیم و حکیم کا ارشاد ہے۔۔۔“ (8)

ان حروف کے اسمائے الٰہی ہونے کے حوالے سے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں البتہ مقطعہ صورت میں اس طرح سے کہ اگر کوئی انھیں ترکیب دے سکے تو اللہ کا اسم اعظم اس کے ہاتھ آجائے گا۔ جیسے ”الر“، ”حم“ اور ”ن“ کو ملایا جائے تو ”الرحمان“ بنتا ہے۔ اسی طرح تمام حروف لیکن ہم انسان اس پر قادر نہیں ہیں یہ مطلب سعید ابن جبیر سے مروی ہے۔ اگرچہ اس قول کے حوالے سے ہم نے علامہ طبرسی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی بعض روایات کا ذکر آیا ہے، اسی طرح ابن عباس کی بھی چند روایات نقل کی گئی ہیں تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند مزید روایات بھی اس سلسلے میں ذکر کر دی جائیں۔ اس موضوع سے متعلق بیشتر روایات آیۃ اللہ جوادی آملی نے اپنی تفسیر ”تسنیم“ کی پہلی جلد میں حروف مقطعہ کی بحث کے آخر میں ”بحث روائی“ کے زیر عنوان نقل کر دی ہیں۔ ہم اصل متون سے مطابقت دیکھنے کے بعد وہیں سے چند روایات نقل کرتے ہیں:

عن الصادق (علیه السلام): الألف حرف من حروف دل علی قولك ”الله“ و دل باللام علی قولك ”الملك العظیم القاهر للخلق أجمعین“ و دل بالمیم علی أنه ”المجید المحمود فی کل أفعاله...“

یعنی: ”امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ الف، حروف میں سے ایک حرف ہے جو تمھاری زبان میں ”اللہ“ پر دلالت کرتا ہے اور لام تمھاری زبان میں ”الملك العظیم القاهر للخلق اجمعین“ پر دلالت کرتا ہے اور میم ”المجید المحمود فی کل افعاله“ پر اللہ نے یہ بات یہود پر

حجت قرار دی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے جب موسیٰ بن عمران علیہ السلام اور ان کے بعد نبیوں کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا تو ان میں سے کوئی ایسا گروہ نہ تھا جن سے اللہ نے عہد و پیمان نہ لیا ہو کہ وہ محمد عربی امی پر ایمان لائیں گے جب وہ مکہ میں مبعوث ہوں گے وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ وہ ایسی کتاب لے کر آئیں گے جس کی بعض سورتیں حروفِ مقطعہ سے شروع ہوں گی۔ ان کی امت اسے یاد کرے گی اور کھڑے بیٹھے اس کی تلاوت کرے گی۔"

ایک اور روایت کے مطابق امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "المص" کا معنی ہے "انا اللہ المقتدر الصادق"

اسی طرح راوی کا بیان ہے کہ میں نے جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (صلوٰت اللہ علیہم) سے پوچھا کہ "الر" کا معنی کیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اس کا معنی ہے "انا اللہ الرؤف"

ابن بابویہ نے "الر" کے معنی نے ضمن میں لکھا کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا اس کا معنی ہے "انا اللہ الرؤف"۔

سفیان بن سعید ثوری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمد علیہ السلام سے پوچھا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندؑ! "کھیعص" کا معنی کیا ہے تو آپؑ نے فرمایا: اس کا معنی ہے "انا الکافی الھادی الولی العالم الصادق الوعد"۔ یعنی: "میں کافی، ہادی، ولی، عالم اور صادق الوعد ہوں۔

نیز امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے اپنی ایک دعا میں یوں کہا: اے "کھیعص" میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔" (9)

۱۰۔ حروف مقطعہ: سامان فکر انگیزی

حروف مقطعہ نے مسلسل انسانوں کو غور و فکر میں مشغول رکھا ہے۔ مفسرین اور قرآن پر غور و فکر کرنے والوں نے اس ضمن میں نئے سے نئے نکات بیان کیے ہیں۔ بعض نہایت گہرے اور عمدہ مطالب سامنے آئے ہیں۔ بعید نہیں کہ پروردگار کا ان حروف کو نازل کرنے میں ایک منشا یہی ہو کہ قاریان قرآن ان میں غور و فکر کرتے رہیں تاکہ ان میں فکری گہرائی پیدا ہوتی رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حروف ہر دور میں "دعوت فکر" کے طور پر اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ سائنسی و انسانی علوم کی پیش رفت کے

ساتھ ساتھ قرآنی اعجاز کے بھی مختلف پرت کھلتے رہتے ہیں۔ ان میں حروف مقطعہ بھی شامل ہیں۔ ہر دور کے فکری مباحث اور فلسفی ارتقامیں بھی قرآن کی تازہ بہ تازہ ہدایت انسان کے نصیب میں رہی ہے۔ نئے سوالات اور نئے افکار کا سامنا کرنے کے لیے قرآن تازہ نکات و افکار اپنی قاریوں کے حوالے کرتا ہے۔ استاد مطہری نے اپنے دور کی مادہ پرستی کے مقابل حروف مقطعہ سے جس طرح سے استفادہ کیا ہے اور ان کے جس پہلو کی نشاندہی کی ہے وہ قرآن کے ہر دور میں تازہ عجائبات کی ایک دلیل ہے جس کی طرف امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے:

"ان القرآن ظاهره انيق و باطنه عميق، لا تفنى عجائبه ولا تنقضى غرائبه ولا تكشف الظلمات الّابه۔"

"یقیناً قرآن کا ظاہر خوبصورت اور باطن گہرا ہے، اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اور اس کی حیرت ناکیاں منقطع نہیں ہوتیں اور تاریکیاں اس کی مدد کے سوا چھٹتی نہیں۔" (10)

حروف مقطعہ نے انسانی فکر کو جس طرح سے مہمیز دی ہے اس کا احساس بہت سے مبصرین کے ہاں پایا جاتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ ہے کہ حروف مقطعہ سورتوں کے نام ہیں، البتہ ان کے معانی کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ "ان ناموں کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا بڑا مشکل ہے۔" (11)

البتہ ان کے معانی پر غور و فکر جاری رکھنے کا کیا فائدہ اور نتیجہ ہوا اس پر بات کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

"...ہمارے بہت سے پچھلے علماء نے ان ناموں پر غور کیا اور ان کے معنی معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ ان کی جستجو سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ کام بجائے خود غلط نہیں تھا اور اگر ہم بھی ان پر غور کریں گے تو ہمارا یہ کام بھی غلط نہیں ہوگا۔ اگر اس کوشش سے کوئی حقیقت واضح ہوئی تو اس سے ہمارے علم میں اضافہ ہوگا اور اگر کوئی بات نہ مل سکی تو اس کو ہم اپنے علم کی کوتاہی اور قرآن کے اتھاہ ہونے پر محمول کریں گے۔ یہ رائے بہرحال نہیں قائم کریں گے کہ یہ نام ہی بے معنی ہیں۔ اپنے علم کی کمی اور قرآن کے اتھاہ ہونے کا یہ احساس بجائے خود ایک بہت بڑا علم ہے۔ اس احساس سے علم و معرفت کی بہت سی بند راہیں کھلتی ہیں۔ اگر قرآن کا پہلا ہی حرف اس عظیم انکشاف کے لیے کلید بن جائے تو یہ بھی قرآن کے بہت سے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہوگا۔ یہ اسی کتاب کا کمال ہے کہ اس کے جس حرف کا راز کسی پر نہ کھل سکا اس کی پیدا کردہ کاوش ہزاروں سربستہ اسرار سے پردہ اٹھانے کے لیے دلیل راہ بنی۔" (12)

۱۱۔ حروف مقطعہ معانی اور اشیاء پر دلالت کرتے ہیں

یہ بنیادی طور پر مولانا حمید الدین فراہی کا نظریہ ہے جو انھوں نے اور پھر ان کے بعد ان کے مکتب فکر کے دیگر ہونہار شاگردوں نے بطور ایک احتمال کے پیش کیا ہے۔ ہم یہاں پر اس نظریے کو مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

مولانا حمید الدین فراہی کا نظریہ

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہی کا حروف مقطعہ کے بارے میں نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو لوگ عربی رسم الخط کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عربی زبان کے حروف عبرانی سے لیے گئے ہیں اور عبرانی کے یہ حروف ان حروف سے ماخوذ ہیں جو عرب قدیم میں رائج تھے۔ عرب قدیم کے ان حروف کے متعلق استاذ امام کی تحقیق یہ ہے کہ یہ انگریزی اور ہندی کے حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے تھے بلکہ یہ چینی زبان کے حروف کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلیل ہوتے تھے اور جن معانی یا اشیاء پر وہ دلیل ہوتے تھے عموماً انہی کی صورت وہئیت پر لکھے جاتے تھے۔ مولانا کی تحقیق یہ ہے کہ یہی حروف ہیں جو قدیم مصریوں نے اخذ کیے اور اپنے تصورات کے مطابق ان میں ترمیم و اصلاح کرکے ان کو اس خط تمثالی کی شکل دی جس کے آثار اہرام مصر کے کتبات میں موجود ہیں۔

ان حروف کے معانی کا علم اب اگرچہ مٹ چکا ہے تاہم بعض حروف کے معنی اب بھی معلوم ہیں اور ان کے لکھنے کے ڈھنگ میں بھی ان کی قدیم شکل کی کچھ نہ کچھ جھلک پائی جاتی ہے۔ مثلاً "الف" کے متعلق معلوم ہے کہ وہ گائے کے معنی بتاتا تھا اور گائے کے سر کی صورت ہی پر لکھا جاتا تھا۔ "ب" کو عبرانی میں بیت کہتے بھی ہیں اور اس کے معنی بھی "بیت" (گھر) کے ہیں۔ "ج" کا عبرانی تلفظ جیمل ہے جس کے معنی جمل (اونٹ) کے ہیں۔ "ط" سانپ کے معنی میں آتا تھا اور لکھا بھی کچھ سانپ ہی کی شکل پر جاتا تھا۔ "م" پانی کی لہر پر دلیل ہوتا تھا اور اس کی شکل بھی لہر سے ملتی جلتی بنائی جاتی تھی۔"

مولانا اپنے نظریہ کی تائید میں سورہ "ن" کو پیش کرتے ہیں۔ حرف "نون" اب بھی اپنے قدیم معنی ہی میں بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی مچھلی کے ہیں اور جو سورہ اس نام سے موسوم ہوئی ہے اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر صاحب الحوت (مچھلی والے) کے نام سے آیا ہے۔ مولانا اس نام کو پیش کرکے

فرماتے ہیں کہ اس سے ذہن قدرتی طور پر اس طرف جاتا ہے کہ اس سورہ کا نام "نون" (ن) اسی وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں صاحب الحوت (یونس علیہ السلام) کا واقعہ بیان ہوا ہے جن کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ پھر کیا عجب ہے کہ بعض دوسری سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں وہ بھی اپنے قدیم معانی اور سورتوں کے مضامین کے درمیان کسی مناسبت ہی کی بنا پر آئے ہیں۔

قرآن مجید کی بعض اور سورتوں کے ناموں سے بھی مولانا کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حرف "ط" کے معنی، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، سانپ کے تھے اور اس کے لکھنے کی ہیئت بھی سانپ کی ہیئت سے ملتی جلتی ہوتی تھی۔ اب قرآن میں سورہ طٰہ کو دیکھیے جو "ط" سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں ایک مختصر تمہید کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی لٹھیا کے سانپ بن جانے کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح طسم، طس وغیرہ بھی "ط" سے شروع ہوتی ہے اور ان میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ کی شکل اختیار کر لینے کا معجزہ مذکور ہے۔

"الف" کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ گائے کے سر کی ہیئت پر لکھا جاتا تھا اور گائے کے معنی بتاتا بھی تھا۔ اس کے دوسرے معنی اللہ واحد کے ہوتے تھے۔ اب قرآن مجید میں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ سورہ بقرہ میں جس کا نام الف سے شروع ہوتا ہے، اس میں گائے کے ذبح کا قصہ بیان ہوا ہے۔ دوسری سورتیں جن کے نام الف سے شروع ہوئے ہیں توحید کے مضمون میں مشترک نظر آتی ہیں۔ یہ مضمون ان میں خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان ناموں کا یہ پہلو بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن سورتوں کے نام ملتے جلتے سے ہیں ان کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں بلکہ بعض سورتوں میں تو اسلوب بیان تک ملتا جلتا ہے۔

میں نے مولانا کا یہ نظریہ، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، محض اس خیال سے پیش کیا ہے کہ اس سے حروف مقطعات پر غور کرنے کے لیے ایک علمی راہ کھلتی ہے۔ میرے نزدیک اس کی حیثیت ابھی تک ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جب تک تمام حروف کے معانی کی تحقیق ہو کر ہر پہلو سے ان ناموں اور ان سے موسوم سورتوں کی مناسبت واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ایک نظریہ سے زیادہ اعتماد کر لینا صحیح نہیں ہوگا۔ یہ محض علوم قرآن کے قدر دانوں کے لیے ایک اشارہ ہے، جو لوگ مزید تحقیق و جستجو کی ہمت رکھتے ہیں وہ اس راہ میں قسمت آزمائی کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس راہ سے یہ مشکل آسان کر دے۔ (13)

اس نظریے کو ایک احتمال کے طور پر یاد کرنے میں عقلاً تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن خارجی حقائق اور شواہد اس کی تائید نہیں کرتے۔ اگر اس نظریے کو قبول کر لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کے زمانے کے عربوں کو ان کے معنی معلوم ہونا چاہئیں۔ نتیجتاً صحابہ کرام کو بھی ان کے معنی کا علم ہونا چاہیے۔ اس صورت میں ان حروف کی حیثیت کسی راز اور رمز کی نہیں رہتی۔ بعض علماء نے جاہلی ادب سے بعض اشعار کے حوالے سے بھی یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عربوں کی ہاں عام طور پر حروف کو بامعنی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا جبکہ شاذ امور کو عموم کے لیے سند اور دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ قبل ازیں ہم نقل کر چکے ہیں کہ مولانا مودودی کی بھی یہ رائے ہے کہ

> ''جس زمانے میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس دور کے اسالیب بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا۔ خطیب اور شعراء دونوں اس اسلوب سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں ان میں اس کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ اس استعمال عام کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو، بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے مراد کیا ہے۔۔۔ بعد میں یہ اسلوب عربی زبان میں متروک ہوتا چلا گیا اور اس بنا پر مفسرین کے لیے ان کے معانی متعین کرنا مشکل ہو گیا۔''

مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے احتمالی طور پر جس نظریے کا ذکر کیا ہے اس کی بھی حالت مولانا مودودی کے نظریے سے ملتی جلتی ہے لہٰذا مذکورہ بالا عبارت میں اس جملے کو ایک مرتبہ پھر ملاحظہ کیجیے :

> ''ان حروف کے معانی کا علم اب اگرچہ مٹ چکا ہے تاہم بعض حروف کے معنی اب بھی معلوم ہیں اور ان کے لکھنے کے ڈھنگ میں بھی ان کی قدیم شکل کی کچھ نہ کچھ جھلک پائی جاتی ہے۔''

مولانا مودودی کی عبارت پر مولانا سلیم اللہ خان نے جو اعتراض کیا ہے کیا وہی اعتراض مولانا حمید الدین فراہی کے نظریے پر نہیں کیا جاسکتا؟ مولانا سلیم اللہ خان کے اعتراض کے چند جملے موقع کی مناسبت سے ہم تکرار کرتے ہیں :

اگر مودودی صاحب کا موقف درست تسلیم کر لیا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امانت و دیانت پر حرف آئے گا کہ حروف مقطعات کے معانی و مراد کا علم ہونے کے باوجود امت کو اس خزانے سے محروم رکھ

کر خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ (معاذ اللہ)۔۔۔ مودودی صاحب کے مضمون کے پیش نظر دیکھا جائے تو ایک طرف اس اسلوب کا چلن اس قدر عام تھا کہ بولنے والے کو اس کے معنی بیان کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی دوسری طرف یہ اس قدر جلدی متروک ہو گیا کہ اپنی فہم سے سمجھنے والے بھی اپنی زندگی کے کسی حصے میں بیان کرنے سے قاصر رہے۔ کسی زبان کا اسلوب اس قدر تیزی سے بدل جاتا ہے؟ اسلوب بدلنے سے معنی بھی کلیۃً معدوم ہو جاتے ہیں؟ اس سلسلے میں تفصیلی عبارات گذشتہ صفحات میں "صحابہ کو ان حروف کا معنی معلوم تھا" کے زیر عنوان ملاحظہ کیجیے۔

جہاں تک "ن" کا معنی مچھلی ہونے کا تعلق ہے تو بعض حروف کے با معنی ہونے کی مثالیں تمام حروف کے با معنی ہونے کی سند نہیں بن سکتیں۔ نہ عربی ادب میں ایسا رواج دکھائی دیتا ہے اور نہ احادیث میں ایسے معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ مولانا مودودی اور مکتب فراہی کے علماء نے حروف مقطعہ کے بارے میں مروی روایات سے ہرگز تمسک نہیں کیا جب کہ ان میں سے بعض روایات کے معتبر ہونے کی شہادت علمائے محققین نے دی ہے۔

مولانا مودودی نے اپنے موقفات کے اثبات کے لیے جس درجے کی روایات پر عام طور پر انحصار کیا ہے اس کے پیش نظر ان کے بارے میں ہماری حیرت زیادہ ہے۔ جہاں تک مکتب فراہی کے علماء کا تعلق ہے تو وہ عام طور پر جاہلی ادب پر زیادہ انحصار کرتے دکھائی دیتے ہیں جب کہ جاہلی ادب سے زیر بحث موضوع کے لیے وہ خاطر خواہ اور اطمینان بخش دلائل پیش نہیں کر سکے۔ تاہم چونکہ انھوں نے اس نقطۂ نظر کو ایک احتمال کے طور پر پیش کیا ہے اس لیے ہم بھی اس مسئلے پر کچھ زیادہ کہنا مناسب نہیں سمجھتے۔

۱۲۔ یہ حروف کفار کو خاموش کرنے کے لیے نازل ہوئے

یہ حروف کفار کو ساکت کرنے کے لیے سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں کیونکہ مشرکین ایک دوسرے کو قرآن سننے سے روکتے تھے اور جہاں کہیں کوئی قرآن کی تلاوت کرتا وہ شور و غوغا بلند کرتے تاکہ کہیں کوئی قرآن کی آواز واضح طور پر نہ سن سکے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بعض حروف کے شروع میں ان حروف کو نازل کیا تاکہ وہ انھیں سن کر خاموش ہو جائیں جب وہ ان حروف کو سنتے تھے تو ان کو عجیب لگتا تھا اور پھر وہ سننے لگتے تھے اور غور کرنے لگتے تھے۔ قرآن حکیم کو سننے سے روکنے کے لیے کفار جو کوششیں کرتے تھے اس کی طرف مندرجہ ذیل آیت بھی اشارہ کرتی ہے۔

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لاَ تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔" (14)

ترجمہ: "اور کفر اختیار کرنے والے کہتے تھے کہ اس قرآن کو نہ سنو اور جب اس کی تلاوت کی جائے تو شور شرابا کرو شاید اس طرح تم غالب آ جاؤ۔"

اسی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ طبرسی نے اس امر کو نویں نظریے کے طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"انها تسكيت للكفار لأن المشركين كانوا تواصوا فيما بينهم ان لا يستمعوا لهذا القرآن و أن يلغوا فيه كما ورد به التنزيل من قوله "لاَ تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ" الآية فربما صفروا وربما صفقوا وربما لغطوا ليُغَلِّطوا النبى صلى الله عليه و آله فأنزل الله تعالىٰ هذه الحروف حتى اذا سمعوا شيئاً غريباً استمعوا اليه و تفكروا و اشتغلوا عن تغليطه فيقع القرآن فى مسامعهم ويكون ذلك سبباً موصلاً لهم الى درك منافعهم۔" (15)

اس نظریے کے بارے میں علامہ طبرسی ہی کی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے استاد ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

"یکی از اهداف این حروف، جلب توجه شنوندگان، ودعوت آنها به سکوت و استماع بوده باشد، زیرا ذکر این حروف در آغاز سخن، مطلب عجیب و نوظهوری در نظر عرب بود، وحس کنجکاوی او را برمی انگیخت... در بعضی از آیات قرآن مانند آیه ۲۶ سوره فصلت اشاره به این مطلب شده است۔" (16)

یعنی: "ان حروف کا ایک مقصد سامعین کی توجہ اخذ کرنا تھا اور انھیں خاموش ہونے اور بات سننے کی دعوت دینا تھا کیونکہ کسی کلام کے شروع میں ان حروف کا آنا عربوں کے نزدیک عجیب اور نیا نیا تھا اور انسان کی جستجو کی حس اسے ایسی چیز کی طرف توجہ دینے کی تحریک کرتی ہے نتیجے کے طور پر اس کے بعد کی بات کی طرف بھی وہ توجہ دیتا ہے اور اتفاق کی بات ہے کہ وہ سورتیں جن کے شروع میں حروف مقطعہ آئے ہیں بیشتر مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ وہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور دشمن بہت ہٹ دھرم اور شدید تھے۔

یہاں تک کہ تیار نہ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو غور سے سنیں بعض اوقات وہ اتنا شور و غوغا بلند کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز ان کے مابین سنائی نہ دیتی۔ قرآن حکیم کی بھی بعض آیات میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی ایک مثال سورۃ فصلت کی آیت ۲۶ ہے۔"

یاد رہے کہ سورہ حم سجدہ کو ہی سورہ فصلت کہا جاتا ہے۔اسی کی آیت نمبر ۲۶ اوپر بیان کی جاچکی ہے۔ اسی رائے کو بیان کرنے کے بعد استاد جوادی آملی وضاحت کے طور پر لکھتے ہیں:

"توضیح این کہ، بر اساس این رأی حروف مقطعہ اسم نیست (اسم اعظم یا عظیم خداوند یا اسم قرآن یا اسم سورہ و یا نام پیامبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بلکہ حروفی نظیر حروف تنبیہ است... صاحبان این رأی اختلاف کردہ اند کہ آیا این حروف برای تنبیہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم است یا تنبیہ مشرکان۔ (17)

یعنی: "اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس رائے کی بنیاد پر حروف مقطعہ اسم نہیں ہیں (اللہ کا اسم اعظم یا اسم عظیم، اسم قرآن، اسم سورہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام) بلکہ یہ حروف، حروف تنبیہ کی طرح ہیں۔ فرق یہ ہے کہ الا اور ھا ایسے حروف تنبیہ ہیں جو رائج اور مشہور ہیں جبکہ حروف مقطعہ ایسے حروف تنبیہ ہیں جو رائج نہیں ہیں۔ قرآن کریم کی عربی زبان پر بالاتری یہی ہے کہ ادبی پہلو کے بشمول، ہر پہلو میں اس کے ہاں نیا پن اور تازگی موجود ہے۔ جیسا کہ فخر الدین رازی آیہ شریف "وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ" کے ذیل میں اہل ادب و لغت کے اس شبہہ کے جواب میں کہ "تَفْعُلَة" کا وزن ثلاثی مجرد کے مصادر میں نہیں آیا۔ایسے مواقع پر نحویوں کے تکلفات پر مجھے حیرت ہوتی ہے کیونکہ اگر انھیں کوئی مجہول شعر مل جائے کہ جو اُن کے مدعا پر شاہد ہو تو خوش ہو جاتے ہیں اور اسے ایک محکم دلیل قرار دینے لگتے ہیں جب کہ کلام الٰہی میں لفظ تھلُکہ کا آنا کہ جس کی فصاحت کی گواہی موافق و مخالف سب نے دی ہے، اس لفظ کی صحت پر بہتر دلیل ہے۔"

فخر الدین رازی کی مراد یہ ہے کہ یہ اشکال اس کے لیے حیثیت رکھتا ہے جس کے لیے قرآن کا وحی اور کلام اللہ ہونا ثابت نہ ہوا ہو لیکن جس کے لیے اعجاز قرآن ثابت ہو گیا ہو اس کے لیے

قرآن کریم خود ادب عربی کا عظیم ترین منبع ہے۔ لہٰذا حروف مقطعہ کے بارے میں بھی ہم کہیں گے کہ اعجاز قرآن ثابت ہو جانے کے بعد اسے عرب کے شاعروں اور سار بانوں کے شعر و نثر کے پیمانے پر نہ رکھا جائے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ اہل عرب نے انھیں اس معنی میں استعمال نہیں کیا اس لیے یہ حروف تنبیہ نہیں ہیں۔ یہ رائے رکھنے والوں نے اس امر پر اختلاف کیا ہے کہ یہ حروف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متوجہ کرنے کے لیے ہیں یا مشرکوں کو۔(18)

جاری ہے۔۔۔

حوالہ جات

1۔ مطہری، مرتضیٰ، آشنای باقرآن، انتشارات صدرا، تہران ۱۳۷۰ش، ج او ۲، ص ۱۲۴

2۔ttp://www.ensani.ir/fa/content/52245/default.aspx

بحوالہ: امام خمینی، چہل حدیث، ص ۳۵۱

3۔ ملا صدرا: الحکمۃ المتعالیہ فی الاسفار العقلیۃ الاربعۃ، قم، المطبعۃ العلمیۃ، ج ۷، ص ۴۰ و ۴۱

4۔ طباطبائی، سید محمد حسین، تفسیر المیزان، بیروت، لبنان، موسسہ الاعلمی للمطبوعات، ۲۰۰۲، ص ۹، ۸

5۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۲۹

6۔ نیز طبرسی، فضل بن حسن: مجمع البیان فی علوم القرآن، ج ا، ص ۱۱۲

7۔http://www.maarefquran.org/index.php/page,viewArticle/linkID,8599

بحوالہ: عین القضات، نامہ ھا، ۲۹۱/۲

8۔ پرویز، غلام احمد: مطالب الفرقان (لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ، ط سوم، دسمبر ۱۹۹۲ئ) ج ا، ص ۱۷

9۔ جوادی آملی، تسنیم، تفسیر قرآن کریم (قم، مرکز نشر اسرائ، ۱۳۷۸ھ ش، ط اول) ج ۲، ص ۱۱۲ و ۱۱۳

10۔ نہج البلاغہ (صبحی صالح) ص ۲۲۳، خطبہ ۱۸

11۔ تدبر قرآن، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، اگست ۲۰۰۶) ج ا، ص ۸۲

12۔تدبر قرآن،لاہور، فاران فاؤنڈیشن،اگست ۲۰۰٦) ج ا، ص ۸۳
13۔امین احسن اصلاحی :تدبر قرآن، مقدمہ و تفاسیر، فاران فائونڈیشن لاہور، 2006، ج اول، ص ۸۳ و ۸۴
14۔ حم:۲٦
15۔ طبرسی، فضل بن حسن: مجمع البیان فی تفسیر القرآن (بیروت، دارالمعرفۃ،۱۹۸٦ئ) ج ا، ص ۱۱۳
16۔ تفسیر نمونہ، ج٦، ص۸۷
17۔جوادی آملی، تسنیم، تفسیر قرآن کریم (قم، مرکز نشر اسرائ،۸۷ ۱۳ھ ش، ط اول) ج ۲، ص ۸۵ و ۸٦
18۔ استاد جوادی آملی نے فخر الدین رازی کی جس عبارت کا فارسی ترجمہ ذکر کیا ہے اس کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

انی لا تعجب کثیرا من تکلفات ہؤلاء النحویین فی أمثال ہذہ المواضع، و ذلک أنہم لو وجدوا شعرا مجہولا یشہد لما أرادوہ فرحوابہ، و اتخذوہ حجۃ قویۃ، فورود ہذا اللفظ فی کلام اللہ تعالی المشہود لہ من الموافق بالفصاحۃ، أولی بأن یدل علی صحۃ ہذہ اللفظۃ و استقامتہا۔

رازی، فخر الدین ،ابو عبداللہ محمد بن عمر: مفاتیح الغیب، معروف بہ تفسیر کبیر (بیروت، دار احیاء التراث العربیہ،۱۹۹۹ع) ج۵، ص ۲۹۴